ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
etitor@zauq-e-tahqeeq.com
Vol. 2, No.2 (2020)
(April to June)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین بطور اقبال شناس

Dr. Muhammad Rafi-ud-Din as an Iqbal Scholar

محمد شوکت علی
لیکچرار، شعبہ اُردو، اسپائر کالج، مناواں، لاہور

Abstract

In this article, the services of Dr. Muhammad Rafi e ud Din regarding Iqbal have been highlighted. He has described Iqbal's philosophy of self in an Islamic context. In his view, Islam has wisely given Iqbal's philosophy of self. Here the meaning of Iqbal's self is highlighted. He has done a great job regarding Iqbal. He also served as the first director of Iqbal academy Pakistan. He understood Iqbal's message and aims and explained them further. This article gives a complete picture of biography and literary services of Dr. Muhammad Rafi ud Din. His book "wisdom of Iqbal" is very important with reference to Allama Iqbal. Here is his research and critical review. Dr. Rafi ud Din's significant efforts to understand Iqbal's philosophy of self-have been appreciated. Through Iqbal's knowledge, Iqbal's message, philosophy, poetry and his scholarly and literary endeavors are brought to the fore, which promotes the addition of confessions and perfections of Iqbalism. Helps to check, evaluate and analyze.

Key words: Philosophy of self, Iqbal's philosophy, Islamic context, Significant, appreciated, Research, Critical review, Dr. Muhammad Rafi-ud-Din.

ڈاکٹر محمد رفیع الدین اقبال شناسی کے حوالے سے ایک اہم شخصیت ہیں۔ انھوں نے اقبال اور فلسفہ اقبال کو اپنی علمی و تحقیقی سرگرمیوں کے ذریعے اپنے مقالات میں پیش کیا ہے۔ وہ جہاں اقبال شناسی میں نمایاں مقام رکھتے ہیں وہیں ماہر تعلیم اور اسلامی مفکر کی حیثیت سے بھی ممتاز ہیں۔ ان کی زندگی اور ان کے نظریات و تصورات کا مطالعہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ انھوں نے اسلام اور اقبال کو اپنی تحقیق کا حصہ بنایا ہے۔ انھوں نے اقبال کے فلسفہء خودی کو اسلامی پس منظر میں دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے خیال میں اسلام نے اقبال کے فلسفہ خودی کو حکیمانہ انداز عطا کیا۔

اقبال شناسی کی روایت میں مختلف مکاتب فکر اداروں اور انفرادی طور پر افکار اقبال کی تفہیم و تشریح کو تحقیقی و تنقیدی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ان تحریروں میں عقیدت مندانہ اور تعصب پر مبنی علمی و تحقیقی کاوشیں بھی منظر عام پر آئی ہیں۔ اقبال شناسی کے ضمن میں جس نے بھی قلم اُٹھایا، اُس نے اقبال کی حقیقی قدر و قیمت کا نہ صرف احساس دلایا بلکہ علمی دنیا میں اُن کو صاحب نظر، فلاسفر، محقق، سکالر، مفکر اور شاعر کے طور پر ایک نئے ہی انداز سے پیش کیا۔ اقبال شناسی کی روایت میں بہت سے محققین اور شارحین نے فکر اقبال کی اساس، محور اور مرکزی نقطہ نظر "تصور خودی" میں تلاش کیا ہے۔ جن اقبال شناسوں نے علامہ اقبال کی فکری اساس میں "خودی" کو اہم قرار دیا ہے، اُن میں ڈاکٹر یوسف حسین خان، ڈاکٹر عابد حسین، ڈاکٹر خلیفہ

عبد الحکیم، عشرت حسن انور، ڈاکٹر آصف جاہ کاروانی، ڈاکٹر عبد المغنی، ڈاکٹر این میری شمل اور ڈاکٹر محمد رفیع الدین وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان سب ہی اقبال شناسوں نے فکر اقبال کی تفہیم و تشریح میں اوّل طور پر ''خودی'' کو اقبالیات میں اہم قرار دیا ہے اور اس کے بعد دوسرے تصورات کو پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین، اقبال کے ہاں خودی کی اصل کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

> ''اقبال کی حکمت میں خودی سے مراد وہ شعور ہے جو خود شناس اور خود آگاہ ہو اور اپنی ذات اور اپنے مقاصد کا احساس یا شعور رکھتا ہو لیکن یہاں شعور کا مطلب ہوش یا تمیز نہیں بلکہ وہ چیز ہے جس کا خاصہ ہوش یا تمیز رکھنا ہے یا جس کی وجہ سے ایک انسان تمیز یا ہوش رکھتا ہے۔ انسان میں یہی چیز ہے جو خود شناس یا خود آگاہ ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو ''میں'' کہتی ہے اس لیے اقبال اس کو ''انا'' یا ''ایغو'' یا ''من'' بھی کہتا ہے اور پھر یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان زندہ ہے اور جب مرتا ہے تو یہی وہ چیز ہے جو اس کے جسم سے رخصت ہو جاتی ہے۔ اس لئے اقبال اس کے لئے ''روح'' اور ''جان'' کے الفاظ بھی استعمال کرتا ہے اور اس کو ''زندگی'' اور ''موت'' کے ناموں سے بھی تعبیر کرتا ہے۔''(۱)

اقبال شناسی کے ذریعے اقبال کے پیغام، فلسفے، شاعری اور ان کی علمی و ادبی کاوشوں کو منظر عام پر لایا جاتا ہے جس سے اقبالیات کی تحصیلات اور کمالات میں اضافت کو ترویج ملتی ہے۔ اس سے اقبال کے نظریات و خیالات کو مختلف پیرامیٹرز سے پرکھنے، جانچنے اور تجزیہ کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اقبال شناسی پر بہت سے ادیبوں نے طبع آزمائی کی ہے، بہت کچھ لکھا گیا ہے اور ابھی بہت کچھ لکھنا باقی ہے۔ بقول مشفق خواجہ:

> ''اقبال شناسی کی منزل کی طرف بڑھتے ہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ابھی بہت سا کام باقی ہے اور اقبال کی زندگی کے بہت سے گوشے تاحال ایسے ہیں جن تک ہماری رسائی نہیں ہو سکی۔''(۲)

اقبال شناسی کے ضمن میں ڈاکٹر محمد رفیع الدین کا نام بھی اہم ہے۔ انھوں نے اقبال کے تصور خودی کی وضاحت بڑے مدلل اور مفصل انداز میں کی ہے۔ دوسرے محققین اور شارحین کی نسبت، انھوں نے تصور خودی کی تفسیر کے لیے جس مآخذ کو اپنایا ہے اُس میں کلی طور پر اسلام کی حکیمانہ فکر اور قرآنی تعلیمات کی چھاپ ہے۔ ان کے نزدیک اقبال کا فلسفہ خودی اسلام ہی کا فلسفہ ہے جس پر علامہ اقبال نے سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ اقبال کا تصور حقیقت اسلامی تصور پر مرکوز ہے جس کے لیے کائناتی خودی، خودی مطلق اور خودی عالم کی فلسفیانہ ترکیبوں کو پیش کیا جاتا ہے۔ اسلام کا تصور خدا کی اساس پر مبنی ہے جب کہ مغرب میں اقبال جیسا فلسفی دکھائی نہیں دیتا۔ اقبال وہ واحد فلسفی ہے جس کے فلسفہء خودی کی بنیاد نبوت کاملہ کی صورت میں پروان چڑھتی ہے۔ کائنات میں اسلام صرف ایک ہے اور اسی پر اقبال کے فلسفہ خودی کی بنیاد ہے۔ رفیع الدین کے نزدیک اقبال کا فلسفہ خودی کتاب الٰہی اور رسول ﷺ کے مرہونِ منت ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ اقبال کا تصور خودی نطشے سے، تصور وجدان جیمز وارڈ سے اور تصور ارتقاء برگساں سے مروج ہے تو یہ محض سطحی مطالعہ پر مبنی اور بے بنیاد بات ہو گی۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین اقبالیات کے ایک بلند مرتبہ کے حامل اقبال شناس ہیں۔ وہ اقبال اکادمی پاکستان کے پہلے ناظم کے طور پر بھی جانے جاتے ہیں۔ انھوں نے مفسر اقبال کی حیثیت سے اقبال شناسی کی روایت میں بھرپور اضافے کیے۔ انھوں نے ساری زندگی اسلام، اقبال اور پاکستان کی ترویج میں کام کیا۔ وہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں بھی علمی و ادبی لگن کے ضمن میں مشغول پائے گئے۔ وہ ایک پکے اور سچے اقبال شناس تھے۔ انھوں نے فکر اقبال کی اصل رمز میں اسلامی فکر کی نشان دہی کی ہے۔ اس ضمن میں مظفر حسین لکھتے ہیں:

> ”ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم نے علامہ اقبال کے پیغام اور مقاصد کو ٹھیک ٹھیک سمجھا اور ان کی شاعری اور فلسفے کی تشریح کے لیے اپنی تصانیف کے ذریعے ایک غیر معمولی کارنامہ انجام دیا۔ انھوں نے اقبال شناسی میں ایک ایسی تحقیقی اور تشریحی روایت قائم کی جو فکر اقبال کی اصل اسلامی اساس پر توجہ مرتکز کر کے قاری کو ادھر اُدھر بھٹکنے سے بچا لیتی ہے۔“(۳)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے اپنی زندگی میں علمی، تعلیمی اور اقبالیاتی کاوشوں کو بڑی دیانت داری اور جرات مندانہ طور پر پیش کیا۔ انھوں نے اقبال اکادمی پاکستان اور پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس کے ذریعے اپنے علمی اور ادبی منصوبوں کو ترویج دی۔ انھوں نے جہاں اقبال شناسی میں فلسفہء خودی کی تفہیم و تشریح کی ہے وہیں اس کے عملی عناصر کو بھی اپنی کاوشوں میں واضح کیا ہے۔ مملکت پاکستان کے قیام میں علامہ اقبال کے تصورات کارفرما ہیں اور اس کی عملی تعمیر کے لیے فلسفہ خودی بہت اہم ہے۔ مگر دکھ کی بات یہ ہے کہ جس فلسفہ خودی کی عملی تفسیر کے لیے علامہ اقبال نے زور دیا، جس سے معاشرتی بنیادیں مستحکم ہونی تھیں، اُس کی عملی صورت کو جامہ پہنانے سے کسی کو کوئی سروکار نہیں۔ اقبال نے تعمیرِ خودی کا پیغام دیا لیکن ارباب اختیار نے ملک میں نفی خودی کے معروضی حالات پیدا کر دیے۔(۴)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے آباؤ اجداد پنجاب سے ہجرت کر کے کشمیر میں آباد ہوئے تھے۔ جب کہ علامہ اقبال کا خاندان کشمیر سے آکر پنجاب میں رہائش پذیر ہوا۔ ڈاکٹر رفیع الدین بھی کشمیری الاصل تھے۔ وہ ۲۴ جولائی ۱۹۰۱ء کو جموں میں پیدا ہوئے۔ یہ تاریخ پیدایش اُن کے میٹرک کے رزلٹ کے مطابق ہے۔(۵) جب کہ ان کے محققین اور سوانح نگاروں نے ان کی تاریخ ولادت یکم جنوری ۱۹۰۴ء لکھی ہے۔ اس کے علاوہ دو ماہی اسلامک ایجوکیشن اور اسلامی تعلیم کے ڈاکٹر رفیع الدین نمبروں میں بھی اسی تاریخ کو لکھا گیا ہے۔ ان کی اپنی تصنیف "حکمت اقبال" کے پیش لفظ میں بھی تاریخ ولادت ۱۹۰۴ء اور وفات کا سن ۱۹۶۵ء لکھا گیا ہے جب کہ انتقال کا سال ۱۹۶۹ء ہے۔ پیش لفظ میں ظفر اسحاق انصاری یوں رقم طراز ہیں کہ:

> ”ڈاکٹر محمد رفیع الدین (۱۹۰۴ء۔۱۹۶۵ء) پاکستان کے اُن مایہ ناز اہل علم میں سے ہیں جن کے علمی کاموں کے نقوش ہماری مذہبی و ثقافتی زندگی پر نہایت گہرے ہیں۔ انھوں نے علم و فکر کے متعدد چراغ روشن کیے اور دور جدید میں اسلام کی تعبیر و تشریح کے میدان میں حکیم الامت علامہ اقبال کی فکر کو آگے بڑھانے کی سعی فرمائی۔“(۶)

علمی و ادبی کاوشوں میں اور تعلیمی اسناد میں اُن کی تاریخ ولادت میں امتیاز ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تعلیمی اسناد میں تاریخ غلط لکھی گئی ہو اور انھوں نے اپنے دوست احباب کو اپنی تاریخ ولادت ۱۹۰۴ء ہی بتائی ہو۔ ڈاکٹر رفیع الدین نے میٹرک کا امتحان ۱۹۲۰ء میں پاس کیا۔ اس کے بعد انھوں نے ایف۔ ایس سی اور بی۔ اے کے امتحانات پاس کیے۔ ۱۹۲۹ء میں انھوں نے اورنٹیل کالج لاہور سے ایم۔ اے عربی اور ۱۹۳۰ء میں آنرز ان پرشین کے امتحانات پاس کیے۔ ۱۹۴۹ء میں پنجاب یونیورسٹی نے آپ کو پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری عطا کی۔ یہ ڈگری ان کی فلسفیانہ تصنیف "Ideology of the Future" جیسی کاوش پر دی گئی۔ ڈاکٹریٹ آف فلاسفی کی ڈگری کے لیے جب ڈاکٹر رفیع الدین کی اس تصنیف کو پنجاب یونیورسٹی کی سنڈیکیٹ میں پیش کیا گیا تو اعتراض لگایا گیا کہ رفیع الدین صاحب نے فلسفہ میں ایم۔ اے نہیں کیا ہے تو انھیں فلسفہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری نہیں دینی چاہیے۔ پنجاب یونیورسٹی کے اس وقت کے وائس چانسلر ڈاکٹر عمر حیات نے اس اعتراض کو مسترد کر دیا۔ انھوں نے کس طرح مسترد کیا، اس ضمن میں علیم اختر لکھتے ہیں:

"کہ اگر کوئی شخص فلسفہ میں ماسٹر ز ڈگری کا حامل ہوتے ہوئے بھی فلسفہ میں ایسی معرکتہ الا آرا کتاب نہیں لکھ سکا تو ڈاکٹر صاحب کو جنھوں نے فلسفہ میں ماسٹر ز ڈگری کے حامل نہ ہونے کے باوجود ایسی کتاب لکھی ہے، ڈاکٹریٹ ضرور ملنی چاہیے۔"(۷)

پی ایچ۔ڈی کے بعد ڈاکٹر رفیع الدین کو ان کی شاہکار تصنیف "First Principles of Education" پر ڈی لٹ کی ڈگری بھی دی گئی اور یہ اعلیٰ ڈگری بھی پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے فلسفہ میں ہی عطا کی گئی۔ان کی ملازمت کے حوالے سے بات کی جائے تو سب سے پہلے انھیں بطور عربی اور اردو پروفیسر سری پرتاب سنگھ کالج، سری نگر میں تعینات کیا گیا۔ ۱۹۳۲ء میں ڈاکٹر صاحب کو پرنس آف ویلز کالج، جموں میں فارسی اور عربی کے لیے پروفیسر مقرر کیا گیا کیوں کہ انھوں نے آنرز ان پرشین کی ڈگری بھی حاصل کی ہوئی تھی۔ یہاں انھوں نے ۱۴ سال ۱۹۴۶ء تک تدریسی فرایض سر انجام دیے۔ان کی علمی صلاحیتوں اور کلاس میں مثالی کردار سے کالج کے پرنسپل، پروفیسر ایس آر سوری بھی بے حد متاثر تھے۔ کلیم اختر کے نزدیک: آپ کی پر وقار شخصیت طلباء میں بہت نمایاں تھی۔ آپ اس زمانے میں بھی سر پر رومی ٹوپی پہنتے اور بہترین سلا ہوا انگریزی لباس زیب تن کرتے تھے۔(۸) آپ اس کالج کے سینئر سٹاف میں شمار ہوتے تھے اور اپنی علمی و ادبی کاوشوں کی وجہ سے کالج میگزین "توی" کے نگران بھی رہے۔ "توی" مجلّہ کی نگرانی کے فرائض محمود ہاشمی اور قدرت اللہ شہاب نے بھی انجام دیے۔ آپ کے شاگردوں میں قدرت اللہ شہاب اور اُن کے بھائی حبیب اللہ شہاب بھی شامل تھے۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے پرنس آف ویلز کالج، جموں کے قیام کے دوران ایک اہم کام اپنی تصنیف (Ideology of the Future) کی تکمیل کی صورت میں کیا۔ڈاکٹر صاحب کی یہ پہلی تصنیف تھی جس کی تکمیل ۱۹۴۲ء میں ہوئی۔انھوں نے بڑی محنت اور لگن کے ساتھ اس تصنیف کو مکمل کیا اور ۱۹۴۶ء میں اپنے خرچ پر شائع کروایا۔ ۱۹۴۶ء میں ہی انھیں سری کرن سنگھ کالج، میر پور کا پرنسپل بھی تعینات کیا گیا۔اس کالج کے تعلیمی و تنظیمی امور کے ضمن میں آپ نے بہت سے منصوبے بنائے ہوئے تھے، لیکن تقسیم ملک اور فسادات کی کشیدگی کی وجہ سے وہ ہجرت کر کے پاکستان آ گئے۔

قیام پاکستان کے بعد ڈاکٹر رفیع الدین کئی اداروں کے ساتھ منسلک رہے۔انھوں نے بطور ریسرچ آفیسر اکی حیثیت سے ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک دی کنسٹرکشن میں کام کیا۔ ۱۹۵۰ء میں ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے گورنر غلام محمد کے مشورے سے ادارہ ثقافت اسلامیہ (Institute of Islamic Culture) کی بنیاد رکھی۔اس ادارے کے ساتھ خلیفہ عبدالحکیم کی وساطت سے جہاں علم وادب کی نامور شخصیات میں مولانا محمد حنیف ندوی، مولانا مظہر الدین صدیقی، مولانا شاہ محمد جعفر پھلواری، خواجہ عباداللہ، بشیر احمد ڈار، شاہد حسین رزاقی اور رئیس احمد جعفری کی خدمات ن سے استفادہ کیا گیا وہیں ڈاکٹر محمد رفیع الدین بھی پیش پیش رہے۔ان تمام نامور سکالرز نے اپنی علمی و فکری رجحانات، سیاسی شعور، سماجی آگہی سے ادارہ ثقافت اسلامیہ کی علمی و ادبی حیثیت میں استحکام پیدا کیا اور اس کی شان و شوکت میں بھی نمایاں اضافہ کیا۔(۹) ۱۹۵۱ء میں اقبال اکادمی پاکستان کا ادارہ نیم سرکاری طور پر کراچی میں قائم کیا گیا۔ڈاکٹر محمد رفیع الدین کو اس ادارے کا پہلا ڈائریکٹر منتخب کیا گیا۔انھوں نے ۱۹۵۳ء سے ۱۹۶۵ء تک بطور ڈائریکٹر اقبال اکادمی پاکستان میں فرائض سر انجام دیے۔اقبال اکادمی میں ڈاکٹر رفیع الدین نے اقبال کے فکر و فلسفہ کو آگے بڑھایا۔ ۱۹۶۰ء میں انھوں نے اقبالیات کی ترویج کے لیے "اقبال ریویو" Iqbal Review انگریزی اور "اقبالیات" اردو سہ ماہی مجلّات کا اجرا بھی کیا۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے ۱۹۶۲ء میں پنجاب یونیورسٹی، لاہور میں "اقبال چیئر" قائم کرنے کی تجویز پیش کی۔اس سلسلے میں پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر سے خط و کتابت بھی جاری رہی۔ ۱۹۶۲ء میں ڈاکٹر صاحب کی یہ تجویز مکمل نہ ہو سکی لیکن اُن کی وفات کے بعد جشن اقبال صدی کے موقع پر ۱۹۷۷ء میں پنجاب یونیورسٹی میں "اقبال چیئر" کا قیام ممکن ہوا۔ڈاکٹر رفیع الدین نے اقبال اکادمی پاکستان میں بطور ڈائریکٹر بارہ برس کام کیا اور مسلسل چار بار

ان کے کنٹریکٹ میں توسیع (Extension) کی گئی۔ وہ ۱۰ اپریل ۱۹۶۵ء کو اپنے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ اس دوران انھوں نے اقبال اکادمی پاکستان کو ایک فعال علمی ادارہ بنانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ وہ ایک عظیم اقبال شناس تھے۔ انھوں نے اقبال شناسی کی روش میں جہاں اقبال اکادمی پاکستان میں علمی و ادبی خدمات کو سراہا ہے وہیں انھوں نے اقبال کے فلسفہ خودی کی ترویج میں "حکمتِ اقبال" جیسی تصنیف لکھ کر ثابت کر دیا کہ وہ کس قدر اقبال شناسی اور اقبال فہمی کے قائل تھے۔ انھوں نے اقبالیات کے حوالے سے بہت سے مقالات و مضامین بھی لکھے جو رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہے۔ بہر حال یہ عظیم اقبال شناس ۲۹ نومبر ۱۹۲۹ء کو کراچی میں ایک ٹریفک حادثہ میں اپنی زندگی کی بازی ہار گئے اور ان کی وصیت کے مطابق ان کے جسد خاکی کو سیالکوٹ کے قبرستان حکیم خادم علی میں سپرد خاک کیا گیا۔ اناللہ وانا علیہ راجعون۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی وفات کو علمی دنیا کے لیے ناقابل تلافی نقصان قرار دیتے ہوئے اور ان کی علمی اور تحقیقی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے مختلف اخبارات و رسائل میں تعزیتی مضامین شائع ہوئے۔ ان کی وفات پر ملک خدا بخش بُچہ اپنے دلی احساسات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی اندوہناک موت سے علمی دنیا میں ایک خلاء پیدا ہو گیا۔ ڈاکٹر صاحب ایک نہایت محنتی، انتھک اور ٹھوس کام کرنے والے درویش صفت انسان تھے۔ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اسلام اور ملت اسلامیہ پاکستان کی محبت کی ایک شمع روشن کر رکھی تھی جس کا شعلہء یقین زندگی بھر ضوبار رہا۔"(۱۰)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے ساری زندگی درس و تدریس اور تصنیف و تالیف اپنا شعار بنائے رکھا۔ انھوں نے جہاں تصانیف کو شائع کروایا وہیں ان کے وقیع تحقیقی مقالات اور خطبات بھی مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہے۔ اُن کی تصانیف میں مستقبل کا نظریہ حیات (Ideology of the Future)، پاکستان کا مستقبل، قرآن اور علم جدید، روح اسلام، منشور اسلام (Manifesto of Islam)، تعلیم کے ابتدائی اصول (First Principles of Education) اور حکمتِ اقبال قابل ذکر ہیں۔

"حکمتِ اقبال" ڈاکٹر رفیع الدین کی آخری تصنیف ہے جو اقبال شناسی میں ایک نمایاں مقام رکھتی ہے۔ اس تصنیف سے پہلے بھی اقبال شناسی کے حوالے سے ڈاکٹر موصوف کے بہت سے مقالات شائع ہو چکے تھے جس میں انھوں نے اقبال کے فلسفہء خودی کی خوب ترجمانی کی ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر شفیق عجمی لکھتے ہیں:

> ڈاکٹر محمد رفیع الدین اپنی آخری تصنیف "حکمتِ اقبال" سے پہلے بھی اپنے مختلف مقالات میں فلسفہء اقبال کے متنوع پہلوؤں کو زیر بحث لا چکے تھے لیکن جس مربوط اور منفرد انداز میں انہوں نے فلسفہء خودی کی تشریح و توضیح کی سعی کی ہے۔ اس کی مثال اقبال شناسی کی روایت میں ہمیں کم ہی نظر آتی ہے۔"(۱۱)

"حکمت اقبال" ڈاکٹر رفیع الدین کی ایک فلسفیانہ حیثیت کی حامل اور جداگانہ علمی نوعیت کی تصنیف ہے۔ اس میں اقبال کے بنیادی محرک فلسفہء خودی کو بڑی گہرائی اور نکتہ طرازی کے ساتھ اجاگر کیا گیا ہے۔ اس تصنیف کو دوسرے اقبال شناسوں کی تصانیف میں شمار کیا جا سکتا ہے جن میں ڈاکٹر یوسف حسین کی "روح اقبال"، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم "فکر اقبال"، ڈاکٹر نصیر احمد ناصر "اقبال اور جمالیات" اور عزیز احمد کی "اقبال نئی تشکیل" قابل ذکر

ہیں۔ اقبال شناسی میں رفیع الدین نے جہاں "حکمتِ اقبال" جیسی شاہکار تصنیف لکھی ہے وہیں ان کے اقبال پر فلسفیانہ افکار پر دوسرے مضامین میں بھی شائع ہوتے رہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر توحیدی رقم طراز ہیں:

> "اقبالیات کے تعلق سے ڈاکٹر رفیع الدین نے "حکمت اقبال" لکھی۔ اس کے علاوہ ان کے کچھ دوسرے مضامین میں بھی علامہ اقبال کے فلسفیانہ افکار سے متعلق جستہ جستہ خیالات نظر آتے ہیں۔"(۱۲)

اقبال شناسی کے حوالے سے ڈاکٹر رفیع الدین کے مقالات و خطبات بھی بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کے یہ مضامین و مقالات مختلف اخبارات ورسائل میں انگریزی اور اردو میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ اُن میں سے درج ذیل یہ ہیں: Iqbal's Idea of the Self مجلّہ اقبال، بزمِ اقبال، لاہور سے جنوری ۱۹۵۳ء (Iqbal's Concepts of Evolution) اقبال ریویو، اقبال اکادمی پاکستان، کراچی سے اپریل ۱۹۶۰ء، (Need For Scientific of Iqbal) روزنامہ پاکستان ٹائمز، لاہور ۲۱ اپریل ۱۹۶۰ء، "اقبال کا تصورِ حقیقت اولیٰ" اقبال ریویو، کراچی، جنوری ۱۹۶۱ء، "اقبال کا فلسفہ" (اردو / انگریزی) اقبال ریویو، جولائی ۱۹۶۰ء، اکتوبر ۱۹۶۱ء، (Iqbal's contribution to Knowledge) روزنامہ پاکستان ٹائمز، ۲۱ اپریل ۱۹۶۲ء، Iqbal was Against Gogless Science روزنامہ پاکستان ٹائمز، ۲۱ اپریل ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئے۔(۱۳) ان کے اسلامی نقطہ نظر کے حوالے سے بھی بہت سے مضامین و مقالات اخبارات اور رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہے ہیں اُن کی تفصیل یہاں لکھنا ضروری نہیں ہے۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی اقبال شناسی میں سب سے اہم کاوش "حکمت اقبال" کی صورت میں واضح ہوتی ہے۔ یہ تصنیف کلام اقبال کی روشنی میں اقبال کے فلسفہ کی مفصّل اور منظّم تشریح پر مبنی ہے۔ اس کی پہلی اشاعت ۱۹۶۸ء میں علمی کتاب خانہ اردو بازار سے ہوئی۔ اس تصنیف میں اقبال کے فکر و فن پر مشتمل بہت سے اہم موضوعات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ تصنیف چار سو چھیانویں صفحات اور ۱۶ ابواب پر مشتمل ہے۔ ابواب درج ذیل ہیں:

۱۔ حکمت اقبال پر عمومی نظر ۲، ۲۔ خودی کی حقیقت، ۳۔ خودی اور تخلیق، ۴۔ خودی اور فلسفہ تاریخ، ۵۔ خودی اور رحمۃ للعلمین، ۶۔ خودی اور عقل، ۷۔ خودی اور مشاہدہ قدرت، ۸۔ خودی اور سائنس، ۹۔ خودی اور ذکر، ۱۰۔ خودی اور فلسفہ ءاخلاق، ۱۱۔ خودی اور آرٹ، ۱۲۔ خودی کا انقلاب، ۱۳۔ خودی اور نشر توحید، ۱۴۔ خودی اور فلسفہ ء سیاست، ۱۵۔ خودی اور سشلزم، ۱۶۔ خودی اور علوم مروجہ۔ ان تمام مضامین میں اقبال کے بنیادی فلسفہ ءخودی کو ہی زیر بحث لایا گیا ہے اور اس کا بنیادی مآخذ قرآن و حدیث پر ہی مبنی ہے۔

"حکمت اقبال" کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہر موضوع کو اقبال کے تصور خودی کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مصنف نے اقبال کے تصور خودی میں ہی ہر موضوع کا حل تلاش کر لیا ہے۔ "حکمت اقبال" میں تصور خودی کے مقام کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ حکمت اقبال میں تصور خودی کے ضمن میں ڈاکٹر محمد رفیع الدین لکھتے ہیں:

> "اقبال کے تمام حکیمانہ افکار کا سرچشمہ صرف ایک تصور ہے جسے اقبال نے خودی کا نام دیا ہے۔ اقبال کے اور تمام تصورات اسی ایک تصور سے ماخوذ ہیں اور اُس سے علمی اور عقلی رشتہ میں منسلک ہیں۔ اقبال کا فکر ایک ایسے نظامِ حکمت کی صورت میں ہے جس کا ہر تصور دوسرے تمام تصورات سے

علمی اور عقلی تائید اور توثیق حاصل کرتا ہے جب تک ہم اس نظام حکمت کے مرکز یعنی تصور خودی کو ٹھیک طرح نہ سمجھیں ہم اقبال کے کسی تصور کو بھی ٹھیک طرح نہیں سمجھ سکتے۔"(۱۴)

حکمتِ اقبال کے تصور خودی کے مقام میں حکمت کی نوعیت اور ضرورت، حکمت کی عمومیت، وحدت کائنات، وحدت کائنات کے مضمرات، وحدت کائنات کے اعتقاد کا سرچشمہ، ارزوئے حسن اور علم کا باہمی تعلق، حواس اور عقل دونوں آرزوے حسن یا وجدان کے مددگار کی حیثیت کو نمایاں کیا ہے۔ عقل کے وظیفہ کو عقل اور وجدان کے باہمی تعلق سے اجاگر کیا گیا ہے۔ اس طرح سائنس اور وجدان، وجدانی مفروضات کی ضرورت، سائنسی نظریات کے تغیر کی سمت، وجدان اور عقلی استدلال کے تعلق کی نشان دہی کی گئی ہے۔

حکمت اقبال کی خصوصیت، غلط اور صحیح فلسفہ کے استدلال کے فرق کو واضح کیا ہے اور علمی حقائق کی ترقی سے غلط فلسفے مٹتے ہیں اور صحیح فلسفہ اُبھرتا ہے، شعر کی طرح فلسفہ بھی محبت کا ترجمان ہوتا ہے اور علمی حقائق تنہا صحیح تصور حقیقت کی طرف راہ نمائی حاصل نہیں کرسکتے۔ فلسفہ خودی کے ضمن میں مغربی تصورات، مذہب کے سائنسی اندازِ فکر، فلسفہ کی ہمہ گیر کیفیات اور اس کے ضمن میں ضرورت واہمیت کو وسیع معنوں میں پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ فلسفہ خودی، اقبال کی شاعری میں ایک اہم پہلو ہے جسے محمد رفیع الدین نے بڑے عمیق انداز میں پیش کیا ہے۔ خودی کی حقیقت میں، خودی کیا ہے؟ خودی کے اوصاف وخواص، خود آگاہی، خودی کا وجود فریب یا وہم نہیں، ان تمام وجوہات کے علائم ورموز کو بیان کیا گیا ہے۔ زمان و مکان سے بے نیازی میں اقبال کے تاثرات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ خودی ایک نورانی قوت یا قوت نور ہے اس کیفیت کو فکر اقبال میں پروان چڑھایا گیا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر محمد رفیع الدین اظہارِ خیال کرتے ہیں:

"خودی ایک نور ہے لیکن مادی روشنیوں میں سے کوئی روشنی ایسی نہیں جو اس کے مماثل ہو اور پھر خودی ایک قوت ہے لیکن مادی قوتوں میں سے کوئی قوت ایسی نہیں جس کے ساتھ اس کو مشابہت دی جاسکے۔ یہی وہ نورانی قوت یا قوتِ نور ہے جس کا انسان میں اور دنیا کی ہر چیز میں ظہور ہے یہی زندگی ہے۔"(۱۵)

"حکمت اقبال" میں لفظ خودی کی تشریح میں انگریزی تصور کو دخل دیا گیا ہے اور اس ضمن میں وضاحتیں بھی دی گئی ہیں۔ مشکلات پر غالب آنے کی خواہش خودی کا خاصہ ہے۔ خودی ذہنی کیفیات کو منظم کرتی ہے۔ خودی کی تنہائی اور انفرادیت، خودی کے مزید اوصاف، خودی مادہ سے پیدا نہیں ہوتی، خودی حقیقتِ کائنات ہے ان سب تصورات کو فکر اقبال کی اور دوسرے افکار و نظریات کی روشنی میں پرکھا گیا ہے۔ شعور اور مادہ کے فرق میں یونانی حکما کے قیاسات، مادہ اور شعور کی اصل ایک ہے۔ سائنس کی مادیات میں تصورات کی کشمکش کی نمو کاری بھی خوب کی گئی ہے۔ خودی کے ضمن میں مغربی تصورات کے ساتھ اسلامی تصورِ خودی کی رمزوں کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ انسانی خودی کا مرکزی وصف خدا کی محبت ہے۔ انسان اور حیوان کے فرق کی وضاحت فکرِ اقبال کی صورت میں کی گئی ہے۔ خودی اور نصب العین کے باہمی تعلق میں نصب العین ہی اعمال انسانی کی قوت کا محرک ہے۔ خودی اور نصب العین کے باہمی تعلق کے ضمن میں ڈاکٹر محمد رفیع الدین لکھتے ہیں:

"اقبال نے خودی اور اس کے نصب العین کے باہمی تعلق کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ گویا خودی نصب العین کی محبت ہے اور نصب العین کی محبت خودی ہے۔ نصب العین کو اقبال کبھی مدعا، کبھی

مقصد، کبھی مقصود، کبھی آرزو اور کبھی تمنا کا نام دیتا ہے۔ خودی کی بقا کا دارومدار نصب العین کی محبت پر ہے اس لیے کہ خودی کی زندگی خودی کی حرکت کا ہی دوسرا نام ہے۔ اگر وہ حرکت نہ کرے تو مردہ ہے دریا کی ایک لہر کی طرح کہ جب تک وہ چلتی رہے لہر ہے، تھم جائے تو کچھ بھی نہیں۔"(۱۶)

"حکمت اقبال" میں جس بھی موضوع کو خودی کے ساتھ جوڑا گیا ہے اس کی وضاحت میں فکر اقبال کی روشنی میں اسلامی تصورات اور مغربی تصورات سے اصل مدعا کی وضاحت کی گئی ہے۔ خودی کے تعلق کو زندگی، معاشرہ، ماحول، معاشی، اخلاقی، سیاسی، مذہبی، سائنسی، انقلابی اور آرٹ وغیرہ کے ساتھ بڑے وسیع انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ خودی کی صورت میں جہاں ڈاکٹر رفیع الدین نے فکر اقبال کی وضاحت کی ہے وہیں انھوں نے کائنات کے عظیم سے عظیم تر پہلوؤں کی عکاسی کرنے کی سعی کی ہے کہ مادہ، سائنس، فلسفہ، نفسیات، زمان و مکان وغیرہ میں کس امر کی کار فرمائی شامل حال ہے۔ زیر نظر تصنیف کے مطالعہ سے بہت سے اسلامی، مغربی اور یونانی تصورات کی بھی وضاحت ہوتی ہے لیکن سب سے بڑھ کر تصور خودی کا راز فکر اقبال میں تصور رہبانیت، خدائے واحدانیت کے تصور میں ہی کار فرما ہے۔ سب ہی سائنسی و عقلی علوم اسی ایک محور کے گرد گردش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے علامہ اقبال کے فلسفہء خودی کے ضِمن میں اسلام کے فلسفیانہ محرکات کی وسعت کو نمایاں کیا ہے۔ ان کے نزدیک فلسفہء خودی، اسلام ہی کا فلسفہ ہے۔ فلسفیانہ تصورات کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب کی تین تصانیف ۱۔Ideology of the Future، ۲۔ قرآن اور علمِ جدید، ۳۔ حکمت اقبال بہت اہمیت کی حامل ہیں۔ ان میں جہاں اسلامی فلسفیانہ پہلوؤں کی نشان دہی کی گئی ہے وہیں اقبال کے فلسفہء خودی کی بھی بہترین تفسیر پیش کی ہے۔ اس ضمن میں "حکمت اقبال" ایک بہترین تصنیف ہے جس میں اقبال کے فلسفہء خودی کو ایک مربوط انداز میں واضح کیا گیا ہے۔ اقبال کے نظامِ حکمت کی بنیاد تصورِ کائنات پر قائم کی گئی ہے۔ تصور کائنات ہی دراصل وحدت کائنات کا سرچشمہ ہے اور وحدت کائنات کی اصلیت کو جاننے کے لیے اقبال نے اپنی وجدانی قوتوں کا استعمال کیا ہے۔ اقبال کے نزدیک حکمت کائنات کا مرکز خدا کا تصور ہے۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین کو اقبال شناسی میں ممتاز مقام حاصل ہے کیوں کہ انھوں نے اقبال کے نظریات و تصورات کا بڑے عمیق انداز میں مطالعہ کیا ہے۔ انھوں نے اقبال کے فلسفہء خودی کی تفسیر میں مشرق و مغرب کے فلسفیانہ نقطہء نظر کا نہ صرف مطالعہ کیا ہے بلکہ تجزیاتی طور پر اسلامی اندازِ فکر میں اس کی بہترین تشریح و توضیح کی ہے۔ انھوں نے فلسفہء خودی کے جہاں فکر و تخیل اور مجرد تصورات کا باریک بینی سے مطالعہ کیا ہے وہیں اس کی عملی زندگی میں ضرورت و اہمیت کا بھی بھرپور جائزہ لیا ہے۔ وہ بیسویں صدی کے اہم مسلم مفکرین اور اقبال شناسوں میں شامل کیے جانے چاہیے کیوں کہ اُن کی تعلیمی، تحقیقی، مذہبی، اخلاقی، تربیتی اور تدریسی کاوشیں اس کی ضامن ہیں۔ اُنھیں مفسرِ اقبال کہنا بہتر ہو گا۔

حوالہ جات

۱۔ محمد رفیع الدین، ڈاکٹر، حکمت اقبال، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد، ۱۹۹۶ء، ص ۲۷

۲۔ مشفق خواجہ، اقبال پرستی سے اقبال شناسی، مشمولہ، علامہ اقبال افکار و خیالات، مرتبین: مصباالحق صدیقی، تسنیم کوثر گیلانی، فرحان پبلشرز، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۱۱۱۱۴

۳۔ مظفر حسین، دیباچہ، اساس فکر اقبال، آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس لاہور، تاریخ اشاعت ندارد، ص ۱۰۔۱۱

۴۔ ثاقب رزمی، اقبال کی انقلابیت، مقبول اکیڈمی لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۱۷۵

۵۔ پنجاب گزٹ پارٹ 111، جولائی۔ دسمبر ۱۹۲۰ء، ص ۱۱۰۷۶

۶۔ ظفر اسحاق انصاری، پیش لفظ، حکمتِ اقبال، ص ۱

۷۔ کلیم اختر، اقبال اور مشاہیر اقبال، اقبال اکادمی پاکستان لاہور، ۱۹۹۷ء ص ۱۶۹

۸۔ ایضاً، ص ۱۱۶۸

۹۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ کے قیام و مقاصد اور اصحاب ادارہ کے تعارف کے ضمن میں دیکھیے، المعارف، جنوری، فروری ۱۹۶۸ء، ص ۱۰۸ تا ۱۱۸

۱۰۔ ملک خدا بخش بُچہ کا تعزیتی مضمون بعنوان ''آسمان تیری لحد پر چشم افشانی کرے''۔ لاہور: روزنامہ، نوائے وقت، ۲۴ دسمبر ۱۹۲۹ء میں شائع ہوا۔

۱۱۔ شفیق عجمی، ڈاکٹر، اقبال شناسی عالمی تناظر میں، پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی لاہور، ۲۰۱۶ء، ص ۱۷۳

۱۲۔ ریاض توحیدی، ڈاکٹر، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم بحیثیت اقبال شناس، عکس پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۸ء، ص ۲۹

۱۳۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے مقالات / خطبات کے حوالے سے فہرست اُن کے ذاتی کاغذات کی فائل سے منسلک ہے جو آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس لائبریری، لاہور میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ مختلف رسائل و جرائد سے بھی تصدیق ہوتی ہے اُن میں اقبال ریویو (کراچی)، اسلامک ایجوکیشن، اسلامی تعلیم (لاہور) اور روزنامہ پاکستان ٹائمز، لاہور کی اشاعتیں کارآمد ہیں۔

۱۴۔ محمد رفیع الدین، ڈاکٹر، حکمت اقبال، علمی کتاب خانہ اردو بازار لاہور، ۱۹۲۸ء، ص ۱

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۷

۱۶۔ ایضاً، ص ۹۹۸